قرآن فہمی کے بنیادی اُصول اور لغت عرب

تحریر: شیخ التفسیر مولانا محمد عبدہ' الفلاحؒ صاحب اشرف الحواشی

قرآن پاک نوعِ انسانی کیلئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ ہر دور میں زندگی کے ہر شعبے میں انسانی عقل وفکر کیلئے رہنما ہے، قرآنی مضامین میں اس قدر جامعیت موجود ہے کہ ہر مکتب فکر کا آدمی اپنی تسکین کیلئے اس سے مواد حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن کے وسیع مفاہیم کی تعبیر عربی زبان کے ذریعے ہی ممکن ہے!

اس کے مضامین کی وسعت اور ہمہ گیری کا تقاضا یہ تھا کہ اسے ایسی زبان میں نازل کیا جائے جو اس وسعت کی متحمل ہو سکے اور اعجازِ بیان کو اپنے اندر سما سکے۔ یہ محض اِدّعاء ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی وسعت صرف عربی زبان میں پائی جاتی ہے۔فصاحت و بلاغت کے جو زاویئے اس میں ہیں، دیگر سامی اور آریائی زبانوں کا دامن ان سے یکسر خالی ہے، اشتقاقات اور مترادفات کی جو فراوانی عربی زبان میں پائی جاتی ہے کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی، لفظی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے عربی زبان ہی متجمع محاسن ہے حتیٰ کہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں کہ۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں جس قدر ضخیم قوامیس اور معجمات لکھے گئے ہیں دوسری زبانوں میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ان معجمات کو دیکھنے سے عربی زبان کی فراخ دامانی اور جامعیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔صحاحِ جوہر، کو لیجئے وہ چالیس ہزار مواد (Roots) پر مشتمل ہے۔قاموس فیروز آبادی۔(متوفی ۸۱۶ھ) میں ساٹھ ہزار مواد مذکور ہیں .....اسی طرح ''لسان العرب'' میں منظور افریقی (متوفی ۷۱۱ھ) نے اسی (۸۰) ہزار مواد سے بحث کی ہے، آخر میں ''تاج العروس'' کو ملاحظہ فرمایئے جس میں سید محمد مرتضیٰ زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) نے اپنے تتبع سے ایک لاکھ بیس ہزار مواد جمع کر دیئے ہیں۔

ان تصریحات کے پیش نظر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قرآن پاک ایسی جامع اور ہمہ گیر کتاب کو جو، ابدی اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے، عربی زبان میں ہی نازل ہونا چاہیے تھا اور یہی زبان اس کیلئے

موزوں (۱) تھی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اپنے متعلق بار بار بزبانِ عربی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن کا اُسلوبِ بیان نہایت سہل ممتنع، ہے اس کے مضامین ومطالب اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ کسی قسم کی پیچیدگی نہیں۔ چنانچہ آیات نمبر: الرعد 37/، یوسف 2/، الشوریٰ/ 7 وغیرہ میں قرآن نے خود عربی ہونے کا دعویٰ کیا جس کے معنی ہیں واضح اور صاف کیونکہ لفظ ع، ر، ب، میں اظہار اور وضاحت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

تفسیر قرآن کے لئے عربی زبان جاننا ہی کافی نہیں!

بلاشبہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور عرب اہل زبان ہونے کی وجہ سے عام طور پر اس کے مطالب ومعانی کا ادراک بآسانی کرلیا کرتے تھے بلکہ قرآن کے اُسلوب بیان سے محظوظ ہوتے اور الفاظ کی بندش اور ان کے محتویات ہی سے متاثر ہوکر اس کی صداقت کے قائل ہوجاتے، مگر عربوں کی مادری زبان میں نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر آیت کے مفہوم کا کماحقہ، ادراک کرلیتے تھے اور ان کے سامنے قرآن کی تشریحات کی ضرورت نہ تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت باقاعدہ طور پر آنحضرت ﷺ یا اپنے ہم طبقہ علماء سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتی رہی، ان کا معمول تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک ان کے مطالب پوری طرح ذہن نشین نہ کرپاتے اور عملی طور پر انہیں اپنا نہ لیتے، اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے (تفسیر ابن کثیر: ۳/۱) چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے پورے دس سال کے عرصہ میں سورۃ البقرہ پڑھی اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے ۸ سال میں یہ سورۃ ختم کی، ظاہر ہے کہ یہ محض نظم قرآن کی قرأت یا تجوید نہ تھی بلکہ اس کے مطالب کا ادراک اور اس پر عمل بھی اس میں شامل تھا۔ (المسویٰ شرح مؤطا: ۳۱۳/۲)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جنہوں نے درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، ان میں سے عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی ۳۲ھ) عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) ابی بن کعبؓ (متوفی ۳۰ھ) اور زید بن ثابتؓ (متوفی ۴۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور تفسیری سلسلہ سند بھی زیادہ تر انہی پر منتہی ہوتا ہے، ان صحابہؓ سے تابعین کی ایک جماعت نے تفسیر قرآن کا علم حاصل کیا حتیٰ کہ دورِ تدوین تک یہ سلسلہ جاری رہا، اس طرح تفسیر قرآن کا معتد بہ حصہ ہم تک بذریعہ روایت پہنچا۔

تفسیر قرآن کیلئے ۴ بنیادی امور

اس بنا پر علمائے قرآن نے غور وفکر اور استقرائے تام کے بعد قرآن فہمی کیلئے چار امور ضروری

قرار دیئے، جن سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کی جائے تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی حدیث میں مذمت آئی ہے، وہ چار امور حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم کی تفسیر، قرآن ہی سے تلاش کی جائے، کیونکہ قرآن نے اگر ایک مقام پر اجمال سے کام لیا ہے تو دوسرے مقام پر خود ہی اس کی تفصیل فرمادی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنے مقدمۃ التفسیر میں رقم طراز ہیں:

''اگر ہم سے پوچھا جائے کہ قرآن فہمی کا سب سے بہتر طریق کیا ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھا جائے'' (ابن کثیر: ۳/۱) اسی لئے علماء نے کہا ہے: القرآن یفسر بعضہ بعضاً یعنی ''قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے''۔ چنانچہ اس قسم کے تکرار کو جو مطالب کی وضاحت کے پیش نظر کی گئی ہے قرآن نے تفصیل وتصریف آیات سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۲) اس کے بعد دوسرا درجہ سنت کا ہے۔ علماء نے سنت کو قرآن کا شارح قرار دیا ہے حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے، بلکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ بھی صادر فرمایا ہے وہ قرآن ہی سے سمجھ کر صادر فرمایا ہے''۔

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں یہاں پر ان کے بیان کی ضرورت نہیں (۲) اس اصل کے تحت آیات احکام کا پورا حصہ آجاتا ہے اور جو اصطلاحی الفاظ احکام فقہیہ پر مشتمل ہیں ان کی تشریح کیلئے تو سنت سے بے نیاز ہونا ناممکن ہے، چنانچہ علامہ طبریؒ اپنی تفسیر ''جامع البیان'' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک قرآن کے احکام کا تعلق ہے وہ سنت کی روشنی میں ہی سمجھے جاسکتے ہیں لہذا قرآن کے لئے سنت کی طرف رجوع ناگزیر ہے''۔ (تفسیر طبری: ۳۳/۱)

☆ موجودہ دور کے بعض نام نہاد مفسرین قرآن جو سنت کی حجیت کے منکر ہیں اس اصل کو یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ تفسیری روایات عموماً ضعیف یا موضوع ہیں اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول پیش کیا جاتا ہے: ثلاثة لیس لها أصل: التفسیر والملاحم والمغازی (الاتقان: ۲۱۰/۳)

''تین قسم کی روایات بے اصل ہیں: تفسیر، ملاحم اور مغازی.....''

یہ ایک مغالطہ ہے جو عوام کو کتبِ تفسیر اور حدیث سے بدظن کرنے کیلئے پیش کیا جاتا ہے، ورنہ اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے، بلکہ تفسیری روایات یا احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ایک حصہ وہ ہے جسے علماء نے احکام فقہیہ کا منبع قرار دیا ہے اور اس پر احکام قرآن کے نام سے تفسیریں بھی مدوّن کی ہیں، ان روایات کی صحت اور صداقت کے نہ تو امام احمد بن حنبلؒ منکر ہیں اور نہ کوئی دوسرا امام ان کو بے اصل کہتا ہے، بلکہ محدثینِ کرامؒ نے پوری چھان بین اور اطمینان کے بعد ایسی روایات کو مستقل تصنیفات میں جمع کر دیا ہے، پھر اُمتِ مسلمہ کے تعامل نے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور علماء نے سنت کے اس حصہ کو قرآن کا شارح تسلیم کیا ہے۔

دوسرا حصہ تفسیری روایات کا وہ ہے جو احکام سے متعلق نہیں، بلکہ اس میں اسرائیلیات اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں، اس قسم کی تفسیری روایات بے شک کتبِ تفسیر میں جمع کر دی گئی ہیں، مگر محققین نے کبھی بھی اس پر اعتماد نہیں کیا اور نہ ہی فہم قرآن کیلئے انہیں اصل قرار دیا ہے، مفسرین نے ان روایات کو اصل تفسیر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا، بلکہ کسی آیت کے معنی سے ادنی مناسبت کی بنا پر انہیں جمع کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الفوز الکبیر ۴۴)

لہذا یہ بات قابلِ اعتراض نہیں، یہی حال سبب نزول یا شانِ نزول کا ہے، کتب تفسیر میں جن آیات کے تحت ان کی شانِ نزول مذکور ہے گو شانِ نزول کے علم سے آیات کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے، تاہم علمائے تفسیر نے صرف شانِ نزول کی بنا پر کسی آیت کا قطعی مفہوم متعین نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس کے قائل ہوئے ہیں، چنانچہ علمائے اُصول لکھتے ہیں۔

''تفسیر قرآن میں مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے گا، اس کے اسبابِ نزول کا اعتبار نہیں ہوگا''۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے پیش آمدہ مسائل کیلئے ہمیشہ آیات کے عموم سے استدلال کیا، خواہ ان آیات کے اسباب نزول کچھ بھی ہوں''۔ (ملاحظہ ہو الاتقان: ۲۸/۱، ۳۵) اسی طرح علامہ زرکشیؒ البرہان فی علوم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آیت سے اس نوع حکم پر بھی استدلال ہوسکتا ہے''۔ (۱۲۶/۱)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ مفسرین نے اسرائیلیات یا اسباب نزول کی روشنی میں آیات کے

مطالب ومعانی متعین نہیں کیئے بلکہ کسی حد تک آیات کے ساتھ مناسبت کے پیش نظران کا ذکر کر دیا ہے (۳) اور محققین علماء نے ان احادیث اور اسباب نزول کو کبھی بھی وہ حیثیت نہیں دی جس پر انہیں موردِ الزام قرار دیا جا رہا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ تفاسیر کو منقح کرنے کی ضرورت ہے تا کہ تفسیر قرآن میں جو جمود سا پیدا ہو چکا ہے وہ ختم ہو جائے اور اعلیٰ علمی سطح پر کتابِ الٰہی کے تقاضوں کے مطابق قرآن فہمی کا رجحان پیدا ہو۔

(۳) کتاب وسنت کے بعد اقوال صحابہؓ کا درجہ ہے، صحابہ کرامؓ نزولِ قرآن کے زمانہ میں موجود تھے جس ماحول میں قرآن نازل ہو رہا تھا اس کے اندرونی اور بیرونی اثرات ان کے سامنے تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''جب کتاب وسنت سے کسی آیت کی صحیح تفسیر معلوم نہ ہو سکے تو اقوال صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ قرائن واحوال کے مشاہدہ کی بنا پر ہم سے زیادہ قرآن سمجھتے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم صحیح اور عمل صالح سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳، ۱۲)

(۴) اگر کسی آیت کے مفہوم پر اقوال صحابہؓ سے بھی روشنی نہ پڑتی ہو، یا ان کے اقوال باہم مختلف ہوں تو اوّلاً قرآن وسنت کی زبان اور پھر عام لغتِ عرب کے محاورات کی طرف رجوع ہوگا اور مفردات قرآن کو سمجھنے کیلئے کتبِ لغت سے مدد لی جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: **الشعر دیوان العرب فاذا تعاجم علیناشیئی من القرآن رجعنا الیہ** (۴)

''شعر کو دیوانِ عرب کی حیثیت حاصل ہے جب قرآن کا کوئی مقام سمجھنے میں دقت پیش آئے گی تو ہم اس کی طرف رجوع کریں گے''۔

تفسیر قرآن میں لغتِ عرب سے استفادہ پر لکھی گئی کتب

مگر غریب القرآن کا کتبِ لغت سے حل تلاش کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) علماء لغت نے اپنی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہر حال تتبع اور استقراء کے بعد کیا ہے، بایں وجہ ان کے مابین الفاظ کے مفاہیم بیان کرنے اور محاورات سے نقل کرنے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

(۲) ان علماء نے عام عربی زبان کو سامنے رکھ کر کتب لغات ترتیب دی ہیں، خصوصیت کے ساتھ قرآنی الفاظ ان کے پیش نظر نہیں تھے اور یہ ضروری نہیں کہ عام زبان میں کسی لفظ کا جو معنی مراد لیا جاتا ہے قرآن میں بھی وہی مراد ہو۔

(۳) جن علماء نے غریب القرآن کو پیش نظر رکھ کر الفاظ کی لغوی تشریحات لکھی ہیں وہ مختلف مسلک اور ذوق رکھتے ہیں اور انہوں نے مفردات کی تشریح کے وقت اپنے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے ایسے لوگ متکلمین میں بھی گذرے ہیں اور فقہاء میں بھی، لہذا ان تفاسیر یا کتب لغت کا مطالبہ کرتے وقت مؤلف کے ذہن میں مسلک کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے، اس بنا پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

''انصاف پسند مفسر کا فرض ہے کہ شرح الغریب کی دومرتبہ جانچ پڑتال کرے اور موارد استعمال پر نظر ڈالے اور پھر یہ دیکھے کہ آیت کے سیاق وسباق اور اس جملہ کے باقی اجزاء کی مناسبت سے کون سا معنی اقوی اور ادنی ہے پھر سیاق وسباق کے لحاظ سے جو معنی مناسب نظر آئے اسے اختیار کر لینا چاہیے (الفوز الکبیر: ص ۶، ۴)

(۴) تتبع لغت سے مفرداتِ قرآن کا جو مفہوم بھی متعین کیا جائے گا وہ مفہوم بہر حال اجتہادی ہوگا جس میں اختلاف کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: (فهٰهنا أيضاً مدخل للعقل وسعة للاختلاف لأن الكلمة الواحدة تجيئى فى لغة العرب لمعان شتى.) ''لہذا شرح غریب میں عقل دخیل ہوتی ہے اور اختلاف کی گنجائش پائی جاتی ہے کیونکہ عربی زبان میں ایک ہی لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔''

(۵) کتبِ لغت کے تتبع سے مفردات قرآن کا صرف لغوی حل تو مل سکتا ہے، مگر ان سے یہ رہنمائی نہیں مل سکتی کہ اس لفظ سے قرآن کون سا تصور پیش کرنا چاہتا ہے اور اس کے محتویات کیا ہیں۔ چنانچہ علامہ طبریؒ اپنی تفسیر، جامع البیان میں لکھتے ہیں: ''الفاظِ قرآنی کے معانی معلوم کرنے کیلئے تو کتب لغت کی طرف رجوع کیا جائے گا مگر آیات کے مفہوم کا پتہ چلانے کیلئے کتب لغت کی بجائے وحی الٰہی اور سنتِ نبویؐ سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے ﴿لتبين للناس ما نزل اليهم﴾ کہہ کر ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً کسی اہل زبان (عرب) کے سامنے جب یہ آیات کریمہ ﴿واذا قيل لهم لاتفسدوا فى الأرض قالوا انما نحن مصلحون﴾ (البقرۃ: ۱۱) تلاوت کی جائے تو جس حد تک لفظ ''فساد'' اور ''اصلاح'' کے لغوی معانی کا تعلق ہے اسے وہ خوب سمجھ سکتا ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ کون سے امور موجبِ اصلاح ہیں اور کون سے موجبِ فساد؟ یہ بات تو وہی بتا سکتا ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے: (ماخوذ از تفسیر طبری: ۳۳، ۳۴)

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ کتبِ لغت سے الفاظ کے موارد استعمال کے تتبع سے کسی حد

تک مفردات کے حل میں تو مدد مل سکتی ہے مگر یہ ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ تفسیر کے دوسرے سرچشموں سے صرفِ نظر کر کے محض اسی کو مدار قرار دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس عنصر سے فی الجملہ استفادہ کیا ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، چنانچہ تفسیر طبری، الکشاف للزمخشری اور بحرِ محیط لأبی سفیان، جو اسی سلسلہ کی بہترین تفاسیر شمار ہوتی ہیں اور ان میں لغوی تشریحات اور شواہد کا خاصا مواد موجود ہے۔ انہوں نے بھی تفسیر کرتے وقت کتاب وسنت اور اقوال صحابہؓ کو مدنظر رکھا ہے، تاہم بعض علماء نے شرح الغریب کا خصوصی اعتناء بھی کیا ہے اور ''مفرداتِ راغب'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ لہٰذا تفاسیر کے اس سلسلہ کے متعلق ہم بھی کچھ عرض کریں گے۔

(۱) غریب القرآن پر جن علماء نے توجہ دی ہے ان میں سب سے پہلے حبر الامۃ مفسر قرآن حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ چنانچہ ''غریب القرآن'' کے نام سے ایک تفسیر بھی ان کی طرف منسوب ہے۔ (۵) اسی طرح ''التفسیر الاکبر'' ہے جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اس میں علی بن ابو طلحہؓ اور ابن کلبی کی روایت سے مفردات قرآن کی تشریحات منقول ہیں۔ (۶) چنانچہ علی بن أبی لیث کی روایت سے یہ نسخہ أبو صالح کاتب اللیث مصری کے پاس محفوظ تھا جسے وہ معاویہ بن ابی صالح کے واسطہ سے روایت کرتے تھے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسی نسخہ پر اعتماد کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی تحسین کی ہے۔ (۷)

ان تفسیروں کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو، مگر اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ مفرداتِ قرآن کی تشریحات کے سلسلہ میں شعر اور کلام عرب سے استشہاد کرتے تھے۔

(۲) غریب القرآن کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کے بعد ابان بن ثعلب بن رباح جریری، أبو سعید أکبری مولیٰ بنی جریر بن عباد أبو أمامہ (۱۴۱ھ) کا نام لیا جاتا ہے جن سے امام مسلم اور اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں، انہوں نے بروایتِ أبو جعفر اور أبو عبداللہ غریب القرآن میں ایک تفسیر مرتب کی جس میں شعرائے عرب کے کلام سے شواہد پیش کئے۔ (۸)

ان کے بعد بہت سے علماء نے ''معانی القرآن'' ''اعجاز القرآن'' ''غریب القرآن'' کے نام سے تفاسیر لکھیں جو کہ الفہرست از ابن ندیم، کشف الظنون از حاجی خلیفہ اور مفتاح السعادۃ میں مذکور ہے۔

جن علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، ان میں سے أبو زکریا یحییٰ بن زیاد الفراء (۲۰۷ھ)، ان کے تلمیذ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ نیریدی (۲۶۰ھ)، ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تمیمی (۲۱۰ھ)، ابو اسحٰق

ابراہیم بن محمد سری زجاج (۳۱۰ھ) اور امام راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے مجاز القرآن، معانی القرآن اور غریب القرآن تین ناموں سے کتابیں تصنیف کیں جن میں سے مجاز القرآن از ابوعبیدہ طبع ہو چکی ہے، یہ کتاب ترتیب مصحف پر ہے مگر فراء کی معانی القرآن اس سے زیادہ اہم ہے، اس لئے کہ فراء علم وعقیدہ کے اعتبار سے ابوعبیدہ سے زیادہ راسخ تھے اور انہوں نے یہ کتاب اپنے تلمیذ عمر بن بکر کی درخواست پر املاء کروائی تھی، چنانچہ ابن ندیم الفہرست ص ۱۰۶ پر لکھتے ہیں:

وله من الكتب كتاب معاني القرآن ألفه معمر بن بكر أربعة أجزاء

ترجمہ: ''فراء نے معانی القرآن عمر بن بکر کے لئے تصنیف کی تھی جو چار اجزاء پر مشتمل ہے''

ابن قتیبہ دینوری۔ اسحٰق بن راہویہ اور ابو حاتم سجستانی کے شاگرد ہیں، موصوف نے اس موضوع پر ''غریب القرآن'' اور ''مشعل القرآن'' دو کتابیں تصنیف کیں اور یہ دونوں ''القرطین'' کے نام سے طبع ہو کر مصر سے شائع ہو چکی ہیں۔

امیر قنوجی (۱۳۰۷ھ) نے الاکسیر میں ابن قتیبہ کو تیسرے طبقے کا ذکر کیا ہے، ابوعبید القاسم بن سلام کی ''غریب القرآن'' کا تذکرہ الفہرست ابن ندیم میں بھی ملتا ہے نیز ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ''موصوف نے معانی القرآن کے نام سے بھی ایک تفسیر لکھی ہے''۔ (الفہرست ص:۱۱۲)

ابوعبدالرحمٰن یزیدی نے بھی ''غریب القرآن'' کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ (الفہرست: ص ۸۸)

سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں کہ:

''یزیدی کی یہ کتاب نہایت جامع ہے، علامہ قفطی نے الانباہ، میں اس کا تذکرہ کیا ہے''۔

(الانباہ للقفطی: ۱۵۱/۲)

امام راغبؒ کی تصنیف ''مفردات القرآن جس کے ترجمہ کی سعادت راقم الحروف نے حاصل کی ہے، تقریباً پندرہ سو اناسی (۱۵۷۹) مواد پر مشتمل ہے، گویا قرآن کے کل مواد ۱۶۵۵ میں سے صرف ۶۶ متروک ہیں، مصنف نے اپنی کتاب کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے اور ہر کلمہ حروفِ اصلیہ میں سے پہلے حرف کی رعایت رکھی ہے، طریق بیان فلسفیانہ ہے یعنی اولاً ہر مادہ (Root) کے اصل معنی متعین کرتے ہیں پھر اس اعتبار سے وہ لفظ قرآن میں جتنے مقامات پر استعمال ہوا ہے اسے اصل معنی کی طرف لوٹا

دیتے ہیں تشریح لغت میں یہ طریق اصولی حیثیت رکھتا ہے اور اسے اختلاف کی صورت میں کسوٹی قرار دیا جاسکتا ہے، پھر مصنف ہر کلمہ کی تشریحات کے سلسلہ میں ان تمام آیات کے احصاء کی کوشش کرتے ہیں جن میں وہ کلمہ استعمال ہوا ہے تاکہ آیات کے سیاق وسباق سے صحیح مفہوم سامنے آجائے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ امام راغب کے بعد متاخرین نے بھی غریب القرآن پر مستقل تصانیف لکھی ہیں جن میں سے ''تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب'' لأبی حیان محمد بن یوسف اندلسی، (۷۴۵ھ) ''تراجم الاعاجم'' تالیف زین المشائخ محمد ابوالقاسم خوارزمی (۵۶۲ھ) اور ''مفردات القرآن'' از شہاب الدین احمد بن یوسف المعروف بسمین الحلبی (۷۶۵ھ) خاص طور پر قابل توجہ ہیں مگر ان سب کتابوں میں ''مفردات امام راغب'' کو جو شہرت اور امتیاز حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو نہیں بلکہ یوں کہئے کہ باقی سب کتابیں مردہ ہوچکی ہیں اور صرف مفردات راغب ہی زندہ ہے۔''

☆☆☆

(۱) ملاحظہ ہو ''فیض الخبیر علی نهج التیسیر'' بحث ترجمة القرآن: ۳۲، ۳۳

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۔ نیز تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''الموافقات للشاطبی (بحث: السنة)

(۳) چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ ''الفوز الکبیر'' کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں: ''وقد ذکر قدماء المفسرین تلك الحاشمة بقصد الاحاطة بالآثار المناسبة للآیة أو بقصد بیان ماصدق علیه العموم ولیس ذکر هذا القسم من الضروریات'' اور صفحہ ۲۵ پر فائدہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والأخری أن یعلم أن أکثر أسباب النزول لامدخل لها فی فهم معانی الآیات .

(۴) تفسیر طبری: ص ۱۷، ۲۹..... مذاہب التفسیر الاسلامی از مستشرق گولڈ زیہر۔

(۵) بروکل مین اپنی، تاریخ، میں لکھتے ہیں کہ دوسری عالمگیر جنگ سے قبل برلن لائبریری میں اس کا نسخہ تھا۔ ۱/۲۱۱۔

(۶) شیخ الاسلام طارق حکمت اللہ حسینی کے مکتبہ مدینہ منورہ میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا، ملاحظہ ہو مقدمہ الصحاح للجوہری، نیز ملاحظہ ہو الفوز الکبیر ص ۱۱۔

(۷) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الاتقان للسیوطی ۱۸۸/۲، ۱۸۹، فتح الباری ۲۱/۱، الاکسیر المذاہب الصحاح ص ۱۰ و مفتاح السعادۃ لطاش کبریٰ زادہ ۱/۱: ۴۰۱، الحاوی ۴۲/۲۔

(۸) ملاحظہ ہو: المعجم الوقت ۱۰۰۸/۱، السنہ ص: ۱۷۶، ۱۷۷، کشف الظنون ۱۰۷/۷۔ فہرست کتب شیعہ للطوسی ۴/۱۔